مکی عہد میں صحابہ کرام کی تربیت کا نبوی منہج اور عصر حاضر میں اس کا اطلاق

نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہونے والی آیات کے تناظر میں تحقیقی جائزہ

The prophet's strategy of Mentoring and educating the companions in the Meccan period and its application in contemporary times: A research study in the context of the verses revealed in the early days of Prophethood

Dr. Syed Mujeeb ur Rehman
Lecturer Department of Seerat Studies
Allama Iqbal Open University Islamabad
Email: syed.mujeeb@aiou.edu.pk

Abstract
Makki era is important and fundamental in the education and self-development of the Sahaba e kiram. During this period, Rasool ullah ﷺ trained them in such a way that they became a beacon for the whole world. These stages of training took place in the light of divine revelation. There are many lessons regarding personal development in the Makki surahs. In the light of which the Prophet (SAW) used to train and educate the Companions. Keeping this style of training in practice, the work of reform can be done in society even today. The determination of these training lessons and according to them the study of the prophetic way of training and educating the Companions has been studied in this article. How can reformation of society be done in the present age with these prophetic initiatives, the paper also includes a discussion on this. In this paper, the revelation revealed on the first ten occasions has been studied.
Keywords: Mentoring, Education, reform, Society

کسی شخص میں موجود فطری استعداد کو نکھار کر موثر بنانے کے عمل کو تربیت کہا جاتا ہے۔ فرد کو مفید بنانے کے لئے تعلیم اور تربیت دونوں اہم ہیں لیکن تربیت کی حیثیت بنیادی ہے۔ اس کے بغیر بسا اوقات تعلیم بھی مفید ثابت نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام نے اسلام کا پیغام دنیا میں عام کیا۔ اپنے عمل کے ذریعے دین اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا۔ یہ ان کے تربیت یافتہ ہونے کا ثبوت ہے۔ ان کی تربیت نبی کریم ﷺ نے اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں فرمائی۔ ابتدائی زمانے میں جن اصولوں کو مد نظر رکھ کر صحابہ کرام کی تربیت کا اہتمام کیا گیا ان کی روشنی میں آج بھی معاشرتی اصلاح کا کام بخوبی انجام دیا جا سکتا ہے۔ اس مقالہ میں یہ جانچنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہونے والی وحی میں کس نوعیت کے تربیتی اسباق تھے جن کو مد نظر رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی اور موجودہ زمانے میں اس سے استفادہ کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ضمنی طور پر قرآن کریم کی

نزولی اور تاریخی ترتیب بھی زیر بحث آئے گی۔اس مقالہ میں ابتدائی دس مواقع پر نازل ہونے والی وحی سے ماخوذ تربیتی اسباق کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

قرآن کریم کا نزول لوح محفوظ پر ایک ہی دفعہ لیلۃ القدر کو ہوا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے سینہ اطہر پر تیئیس سال کے عرصے میں وقفہ وقفہ سے نازل ہوتا رہا۔مختلف مصلحتوں کے پیش نظر وحی ایک خاص ترتیب سے نازل ہوتی رہی۔اس ترتیب کو نزولی ترتیب کہا جاتا ہے۔جب کوئی سورت نازل ہوتی تو نبی کریم ﷺ کاتب وحی کو بلا کر مخصوص مقام پر لکھوانے کا حکم ارشاد فرماتے،اس طرح ایک نئی ترتیب وجود میں آگئی جس کو ترتیب توقیفی کہا جاتا ہے۔اسی ترتیب کے مطابق آج قرآن کریم ہمارے پاس محفوظ ہے۔ترتیب نزولی کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ آیات کی ترتیب نزولی میں مفسرین کے اقوال مختلف ہوتے ہیں گویا یہ ایک اجتہادی معاملہ ہے۔السیوطی (م:۹۱۱ھ) نقل کرتے ہیں کہ جنات اور انسانوں کی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن کریم کو شان نزول کے مطابق مرتب کر سکیں[1]۔

قوم کی تربیت کے ارتقائی مرحلے میں قرآن کریم سے راہنمائی لینے کے لئے ترتیب نزولی اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے۔ان آیات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی تربیت فرماتے رہے۔مفسرین نے صحابہ و تابعین کی آراء کی روشنی میں جس حد تک ترتیب نزولی بیان کی ہے،اس کا جاننا کسی قوم کی تشکیل کے مراحل کو آسان کر دیتا ہے۔امام سیوطی نے الاتقان میں ترتیب نزولی کی ترتیب پر مشتمل کئی فہرستیں نقل کی ہیں۔امام بیہقی کی سند سے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے[2] جس میں مکی اور مدنی سورتوں کو زمانی ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔جابر بن زید سے منقول فہرست بھی بیان کی ہے[3]۔دونوں فہرستوں میں بعض سورتوں کی ترتیب میں اختلاف بھی ہے۔ثانی الذکر ترتیب پر السیوطی نے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ان فہرستوں کے علاوہ مختلف مقامات پر سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اقوال ذکر کئے ہیں۔ان کی روشنی میں مختلف مفسرین سورتوں کی ترتیب کو بیان کرتے ہیں۔مستشرقین میں سے نوڈیلکے نے سیوطی کی امام بیہقی کی سند سے بیان کردہ فہرست کو اختیار کیا ہے[4]۔متاخرین میں سے امام ابن عاشور کے ہاں نزولی ترتیب کے بیان کا خاص اہتمام پایا جاتا ہے۔یہی انداز تفسیر کے اردو ادب میں سے مولانا مودودی کی تفہیم القرآن میں بھی موجود ہے۔

ابتدائی زمانے کی وحی کے تربیتی پہلو:

ا۔ علم کی اہمیت:

رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی غار حرا میں نازل ہوئی۔یہ وہ زمانہ تھا جس میں آپ ﷺ کو خلوت پسند تھی،آپ ﷺ غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں کئی راتیں قیام فرماتے۔اسی معمول کے مطابق ایک مرتبہ آپ ﷺ غار حرا میں تھے کہ حضرت جبریل سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات لے کر حاضر ہوئے[5]۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

وحی کا آغاز اقرا سے ہوتا ہے۔ انسان کو پڑھنے کے حکم سے ہی قرآن کریم کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ خلافت کے تقاضوں کو سمجھنا اور ان کو پورا کرنا علم ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اس لئے انسان کو علم کی اہمیت سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کا آغاز پڑھنے کے حکم سے فرمایا۔ اہل عرب میں حصول علم کا رجحان نہیں تھا۔ لکھنے پڑھنے والے افراد انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے تھے۔ وہی اہل عرب جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حصول علم کی طرف ایسے متوجہ ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کے علوم و معارف کو پوری دنیا میں پھیلانے کا سبب بنے۔

علم اور قلم سے دور عرب معاشرے میں علم کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے ان آیات میں علم اور اس کے اہم وسیلے قلم کا ذکر کیا گیا۔ اس ابتدائی وحی کے بعد قرآن کریم میں متعدد مقامات پر علم اور اہل علم کی فضیلت بیان کی گئی۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات میں بھی علم کے فضائل موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حصول علم کی جانب بطور خاص متوجہ فرمایا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی تو ان کو کہا گیا کہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھادیں، یہی خدمت ہی آپ کے حق میں فدیہ سمجھا جائے گا[6]۔ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت نے اسی عرصے میں لکھنا سیکھا تھا۔ جب بھی کوئی شخص مسلمان ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کی تعلیم کا اہتمام فرماتے۔ آپ ﷺ بنفس نفیس صحابہ کرام کو قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ

كنا إذا تعلمنا من نبي الله صلى الله عليه وسلم عشر آيات من القرآن لم نتعلم العشر التي بعدها حتى نعلم ما فيه،[7]

ہم جب نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم کی دس آیات پڑھ لیتے تو اگلی دس آیات اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک (گذشتہ) دس آیات (میں مذکور حلال و حرام اور دیگر احکامات) کا ہمیں علم نہ ہو جاتا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ سے دس دس آیات کا سبق لے کر قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے کچھ صحابہ کرام کو بھی قرآن کریم کی تعلیم دینے پر مامور فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر کا واقعہ معروف ہے کہ جب وہ اپنی ہمشیرہ کے گھر گئے تو اس وقت حضرت خباب بن ارت ان کو اور ان کے خاوند کو

قرآن کریم کی تعلیم دے رہے تھے۔ مدنی عہد میں جب کوئی وفد آکر مسلمان ہو تا تو نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ کوئی معلم بھی بھیجتے جو ان کو قرآن کریم کی تعلیم دیتا۔ مدینہ منورہ میں تعلیم کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ ایک طریقہ تعلیم تو وہ تھا جو ہمیشہ جاری رہا کرتا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مسائل میں آپ ﷺ سے راہنمائی حاصل کرتے۔ نبی کریم ﷺ کی مجلس عموماً فجر کے بعد اشراق تک جاری رہتی۔ اس مجلس میں دیگر مسائل کے ساتھ جاہلیت کے اشعار اور واقعات کا ذکر بھی ہوا کرتا۔ حضرت جابر نقل کرتے ہیں:

كَانَ لَا يَقُومُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ الصُّبْحَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتْ قَامَ وَكَانُوا يَتَحَدَّثُونَ، فَيَأْخُذُونَ فِي أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُونَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[8]

نبی کریم ﷺ نماز فجر کے بعد اپنی جگہ پر تشریف فرما رہتے یہاں تک سورج طلوع ہو جاتا، جب سورج طلوع ہو جاتا تو آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے، اور (اس دوران) وہ باہمی گفتگو کیا کرتے، کبھی زمانہ جاہلیت کے کسی واقعہ کا ذکر کرتے تو ہنس پڑتے، نبی کریم ﷺ بھی مسکرا دیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ سے علم سیکھنے کی خاطر صفہ کی درسگاہ موجود تھی۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کو محفوظ کرنے کے لئے ایک جماعت ہر وقت موجود رہتی۔ حضرت عبادۃ بن صامت بھی اہل صفہ کو قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے[9]۔

دوسرا طریقہ تعلیم وقتی نوعیت کا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جب کوئی بیرونی وفد حاضر ہو کر اسلام قبول کرتا تو نبی کریم ﷺ کچھ عرصہ ان کو اپنے پاس رکھ کر دین سکھاتے، اس کے بعد اپنے وطن روانہ فرما دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم کا حصول اسلام کی نگاہ میں بہت اہم ہے۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہی عرب جن کو مہذب لوگ تہذیب یافتہ ماننے سے انکاری تھے وہ تربیت نبوی کے مرحلے سے گزر کر پوری دنیا میں علم کی روشنی پھیلانے کا سبب بنے۔

۲۔ خالق کی پہچان:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے مادی ترقی کی معراج پر پہنچانا تھا۔ اس کے افراد نے سمندر کی گہرائیوں اور خلا کی وسعتوں تک پہنچنا تھا۔ یہ تمام تر ترقی علم ہی کی وجہ سے ہونی تھی۔ ایسی صورت میں دو باتوں کا امکان تھا:

۱۔ انسان تکبر میں مبتلا ہو جائے۔

۲۔ انسان اس تمام تر ترقی کو اپنی جانب منسوب کرنے لگے۔ اور خالق کا انکار کر بیٹھے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلی ہی وحی میں یہ پیغام دے دیا کہ تمہیں یہ علوم عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز یہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ گویا انسان کو پیغام دیا گیا کہ علم کو اللہ کی عطا سمجھ کر ہمیشہ اس کے سامنے عبدیت کا اظہار کرے اور اپنی پیدائش پر غور کرکے تکبر سے اپنے آپ کو بچائے۔ دعوت کے ابتدائی عرصے میں مختلف اوقات میں نازل ہونے والی وحی میں خالق کے ساتھ مطلوب رویہ صحابہ کرام کو سمجھایا گیا۔ جس کی وضاحت حسب ذیل ہے:

۳۔ توحید اور توکل:

اللہ پر بھروسہ مشکل حالات میں بندہ مومن کا ہتھیار ہوتا ہے۔ ابتدائی زمانے میں نازل ہونے والی وحی میں اللہ کی وحدانیت اور توکلِ الٰہی کے مضامین سمجھائے گئے ہیں۔ چنانچہ:

سورہ علق سب سے پہلی وحی ہے، اس میں خالق اور تخلیق انسانی کے ابتدائی مرحلے کا ذکر ہے۔

سورہ الضحیٰ گیارہویں نمبر پر نازل ہوئی[10]، اس میں نبی کریم ﷺ سے خطاب میں اللہ کی ہمہ وقتی معیت کی یقین دہانی ہے۔

سورۃ فاتحہ پانچویں وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، بعض حضرات کے ہاں نزولی ترتیب میں اس کا نمبر تیسرا ہے۔ یہ وہ پہلی سورت ہے جو مکمل حالت میں نازل ہوئی[11] اس سے پہلے سورتوں کے اجزاء آیات کی شکل میں نازل ہوتے رہے ہیں۔ اس سورت کے آغاز میں اللہ کی بڑائی کا ذکر ہے کہ وہ صرف اس تمہارے جہان کا ہی نہیں، بلکہ تمام معلوم و نامعلوم جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہی ہے جس کی رحمت کامل اور وسعتوں کی حامل ہے۔ لہٰذا مدد صرف اسی سے مانگو۔

مسلمان اسباب اختیار کرکے نتائج اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہی توکل کا مفہوم ہے۔ توکل میں اسباب اختیار کرنے اور خود سپردگی کے درمیان توازن بہت ضروری ہے۔ اس میں بھی اصل اہمیت خود سپردگی کی ہے، یعنی انسان اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کرے۔ سیرت طیبہ کے مدنی ذخیرے میں ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں جن میں اسباب اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی تاکید موجود ہے۔ مکی زندگی میں مسلمان تربیت کے مراحل سے گزر رہے تھے، اس لئے وہاں بعض ایسے احکامات موجود تھے جن کا تعلق صرف اسی خاص ماحول سے تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے تبدیل فرمادیئے۔ مثلاً فرضیت جہاد کا حکم مدینہ منورہ میں آیا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لئے جہاد کی خاطر اسباب اختیار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہاں خود سپردگی کا حکم تھا۔ درج ذیل روایت ملاحظہ ہو:

أنَّ عبدالرحمن بنَ عوفٍ ، وأصحابًا لَهُ أتَوا النَّبيَّ صلَّى اللَّهُ علَيهِ وسلَّمَ بمَكَّةَ فقالوا : يا رسولَ اللَّهِ ، إنَّا كنَّا في عزٍّ ونحنُ مُشرِكونَ ، فلمَّا آمنَّا صِرنا أذلَّةً ، فقالَ : إنِّي أُمِرتُ بالعفوِ ، فلا تقاتِلوا[12]

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کچھ ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ہم حالت شرک میں اعزاز کے ساتھ رہتے تھے، جب ایمان لائے تو ہم کمزور (اور لوگوں کی آنکھوں میں ہلکے) ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے صبر کا حکم ہے، لہٰذا تم لوگ لڑائی مت کرو۔

۴۔ عبادت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنی عبادت کے لئے بھیجا ہے۔ عبادت بندگی کو کہا جاتا ہے۔ بندگی کیسے کرنی ہے؟ اس سوال کا جواب اجمالی طور پر قرآن کریم میں اور تفصیلی طور پر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہے۔ ابتدائی وحی میں صحابہ کرام کو بندگی کے اطوار سکھاتے ہوئے مختلف اوقات میں وحی نازل ہوئی۔ چنانچہ:

سورہ مدثر کا شمار اس وحی میں ہوتا ہے جو نبوت کے اولین زمانہ میں نازل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سورت پہلی وحی کے بعد نازل ہوئی جب فترۃ الوحی کا اختتام ہوا تھا[13]۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کی ایک مرفوع روایت کے مطابق یہ سورت قرآن کریم کی نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی ہے[14]۔ ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ کی بڑائی بیان کرنے کی تعلیم دی گئی۔ گویا بندگی کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ اللہ کی بڑائی بیان کی جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (المدثر:۳)

اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی صفات تعظیمی کے ساتھ کیجئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے ہر نقص اور عیب کی نفی بھی موجود ہے۔ گویا مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا عقیدہ رکھے اور اپنی زبان اس کے ذکر سے تر رکھے۔ اسی آیت سے اللہ اکبر کہنے کی ہدایت بھی ملتی ہے نیز یہ نماز کی مشروعیت کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا آغاز اسی کلمہ سے ہوتا ہے۔[15]

سورہ مزمل سورہ مدثر کے بعد نازل ہوئی۔ یہ تیسری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، بعض حضرات نے اس کو چوتھے نمبر پر قرار دیا ہے[16]۔ اس کی ابتدائی آیات میں قیام کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (المزمل:4-2)

ان آیات میں رات کا بیشتر حصہ قیام میں گزارنے کی تلقین فرمائی گئی۔ اس پر عمل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ رات کا اکثر حصہ قیام میں گزارتے۔ صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کے ساتھ قیام فرماتے۔ یہاں تک کہ قیام

کی طوالت کی وجہ سے ان کے قدموں اور پنڈلیوں پر ورم پڑ گیا۔ دس سال تک قیام کا یہ سلسلہ چلتا رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم میں تخفیف کر کے وسعت پیدا فرما دی[17]۔ اور اسی سورت کے اخیر میں یہ آیت نازل ہوئی:

عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ(المزمل:۲۰)

اسے معلوم ہے کہ (اے مسلمانو!) تم ساری رات قیام نہیں کر سکو گے تو اس نے اپنی مہربانی سے تم پر رجوع فرمایا اب قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو۔

یہ آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ جب کہ سیدہ عائشہ کا قول ہے کہ یہ آیات سورت کی ابتدائی آیات کے ایک سال بعد نازل ہوئیں[18]۔

سورہ فاتحہ میں اللہ کی صفات کے بیان کے بعد یہ تلقین کی گئی کہ عبادت صرف ایک اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔

سورہ اعلیٰ حضرت جابر بن زید کی منقول فہرست کے مطابق آٹھویں نمبر پر نازل ہوئی[19]۔ اس میں عبادت کے دو طریقے بتائے گئے:

الف۔ اللہ کا نام لینا ب۔ نماز

ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى(الاعلیٰ:۱۴،۱۵)

بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا، اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی

ایک روایت کے مطابق یہ دونوں آیات مدنی ہیں اور ان میں نماز عید اور صدقہ فطر کی تاکید ہے[20]۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابتدائی زمانے میں جو وحی نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل حقوق بیان کئے گئے۔

الف۔ توحید ب۔ اللہ پر توکل ج۔ اللہ کی رحمت سے امید رکھنا

د۔ حمد ر۔ شکر ز۔ نماز

۵۔ صفائی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار:

سورہ مدثر کی ابتدائی آیات میں دیگر بنیادی احکام کے ساتھ ایک حکم یہ دیا گیا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر:۴)

اور اپنے کپڑے پاک رکھئے

ثیاب کپڑوں کو کہا جاتا ہے اور مجازا اس کا اطلاق ذات پر بھی ہوتا ہے۔ اس آیت میں کپڑوں کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ مشرکین مکہ میں کپڑوں کی صفائی کا اہتمام مفقود تھا[21]۔ اوائل اسلام میں ہی اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو کپڑوں کی صفائی کی طرف متوجہ فرمایا، قرآن کریم میں اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ کپڑوں کی صفائی کا حکم نہیں ہے۔ اس سے

وضو بھی مراد لیا جاسکتا ہے جیسا کہ گذشتہ آیت میں تکبیر سے نماز کی طرف اشارہ کیا گیا تھا نیز اس میں جسم کی صفائی کی طرف بھی اشارہ موجود ہے[22]۔یوں بھی جب کپڑوں کو صاف رکھا جائے گا تو جسم کی صفائی بھی کرنی پڑے گی۔

طہارت کا ظاہری معنیٰ کپڑوں اور جسم کو گندگی سے صاف رکھنا ہے۔لیکن مجازاً اس کا اطلاق تزکیہ پر بھی ہوتا ہے[23]۔اگر ثوب سے نفس انسانی اور طہارت سے تزکیہ مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر قسم کے رذائل سے اپنے آپ کو پاک رکھا جائے اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے اپنے آپ کو مزین کیا جائے۔

مکی زندگی کے اوائل میں صفائی کے بارے میں اس ہدایت کے بعد نبی کریم ﷺ نے مختلف اوقات میں صحابہ کرام کو صفائی کی اہمیت کی جانب متوجہ فرمایا۔آپ ﷺ نے صفائی کو نصف ایمان قرار دیا۔ایک روایت میں صفائی کو جنت میں داخلے کی شرط قرار دیا گیا۔لباس صاف ستھرا رکھنے اور ظاہری حلیہ درست رکھنے کی تاکید بھی کی گئی۔ایک روایت کا مفہوم ہے:

جو لباس پہنتے ہو اس کو صاف ستھرا رکھا کرو،اپنی سواریوں کی دیکھ بھال کرو اور تمہارا حلیہ صاف ستھرا ہو تاکہ لوگوں سے ملنا ہو تو وہ تمہاری عزت کریں[24]۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کو آپ ﷺ نے میلا لباس پہنے ہوئے دیکھا تو ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اس کے لئے یہ بھی مشکل ہے کہ اپنا لباس دھو لیا کرے؟[25]

اور جسم کے علاوہ صحابہ کرام کو استعمال کے برتن صاف رکھنے کی تاکید تھی۔گھروں کے آنگن اور دروازے کی بیرونی طرف بھی صفائی کا خیال رکھنے کا حکم تھا۔درج ذیل روایات ملاحظہ ہوں:

الف۔اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاکی کو پسند کرتا ہے، ستھرا ہے، ستھرا پن پسند فرماتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند فرماتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے لہٰذا تم اپنے صحن صاف رکھو اور یہود کے ساتھ مشابہت نہ کرو[26]۔

ب۔برتنوں اور گھروں کے صحن کی صفائی سے غنا و مالداری نصیب ہوتی ہے[27]۔

یہ وہ تعلیمات ہیں جو صفائی کا خیال رکھنے کی اس ابتدائی حکم کے مطابق نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت کے لئے ارشاد فرمائیں۔

٦۔کمزور طبقات کی خبر گیری:

اسلام معاشرے کی تشکیل کا داعی ہے۔معاشرے کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ انسان باہم ایک دوسرے کی خبر گیری کریں۔معاشرے میں کچھ طبقات آمدن کے اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں۔بسا اوقات ان کے پاس دو وقت کے کھانے کو بھی کچھ میسر نہیں ہوتا۔معاشرے میں ان کے صحتمند کردار کے لئے ضروری ہے کہ دیگر انسان ان کی

بنیادی ضروریا پری کریں اور ان کو رفتہ رفتہ خود کفیل ہونے میں مدد دیں اور ان کی عزت نفس کی حفاظت کی خاطر ان کے سامنے اپنے احسان کا ذکر بھی کریں۔ یہ درس مسلمانوں کو آغاز سے ہی دیا جارہا ہے۔

سورہ ضحیٰ میں فرمایا کہ یتیم کے ساتھ سختی سے مت پیش آؤ اور سائل کو مت جھڑکو۔ سورہ مدثر میں حکم دیا گیا کہ احسان مت جتلاؤ۔ گویا کمزور طبقات کے ساتھ احسان سے پیش آؤ لیکن بعد میں ان کے سامنے اپنے احسان کا ذکر کرکے ان کو شرمندہ نہ کرو۔ ان آیات کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا اسوہ بھی صحابہ کرام کے سامنے موجود تھا۔ آپ ﷺ کی شہرت ہی مکہ مکرمہ میں بے کس اور نادار لوگوں کی خبر گیری کرنے والے کی تھی۔ پہلی وحی کے موقع پر حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو تسلی آپ ﷺ کے انہی اوصاف کا ذکر کرکے دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ

كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ،[28]

اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا،، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

۷۔ دنیا اور مال برتنے کا طریقہ کار:

انسان کے سامنے ہمیشہ سے ہی یہ سوال کھڑا رہا ہے کہ دنیا کے ساتھ کس طرح کا رویہ رکھا جائے۔ زمانہ نبوی سے قبل دنیا اس سوال کے جواب میں تقسیم تھی۔ عیسائیوں میں رہبانیت کا رجحان تھا۔ اس رجحان کے زیر اثر وہ دنیا سے لطف اندوز ہونے کی حوصلہ شکنی کرتے تھے۔ اپنے جسم کو تکلیف دینے کو کار ثواب سمجھتے تھے۔ ان کے مقابلے میں بت پرست اور یہودیوں کی اکثریت دنیا ہی کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں جائز و ناجائز کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں قرآن کریم نے دنیا اور آخرت کے بارے میں ایسی تعلیمات بیان کیں جو انسانی فطرت سے قریب تھیں۔ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ:۱۴-۱۶)

بے شک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہو گیا۔ اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔

اس آیت میں انسان سے یہ شکوہ کیا گیا کہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ دنیا اور مال و دولت کمانے کی شکایت نہیں، شکوہ ترجیحات کا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ سبق ملا کہ دنیا کمانا مذموم نہیں ہے بلکہ ایسی دنیا مذموم ہے جس کے لئے اخروی زندگی کو متاثر کیا جائے۔

اس وحی میں مال کمانے اور جمع کرنے کی اجازت دی گئی۔انسان کی فطرت میں لالچ ہے۔اس لالچ کو لگام دینے کے لئے بعد میں سورۃ التکاثر کی آیات نازل ہوئیں جن میں انسان کو تنبیہ کی گئی کہ اگر اپنی ہوس پر قابو نہ پایا تو یہ ہوس تمہیں ہلاکت میں ڈال دے گی۔اس سے پہلے سورۃ اللہب میں یہ پیغام دیا جاچکا ہے کہ اگر اللہ کی نافرمانی سے باز نہ آئے تو مال سمیت کوئی طاقت کام نہیں دے سکتی۔یہ تعلیمات دنیا کے معاملے میں انسانی فطرت میں اعتدال پیدا کرتی ہیں۔ان آیات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی۔ایک طرف آپ ﷺ نے رزق حلال کمانے کی تلقین فرمائی۔رزق حلال کمانے والے کو اللہ کا دوست قرار دیا۔رزق کمانے والے کو مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح اللہ کے راستے میں قرار دیا۔دوسری جانب آپ ﷺ دنیا کی حقیقت کو صحابہ کرام کے سامنے واضح فرمایا۔آپ ﷺ نے دنیا کی محبت کو ہر برائی کی جڑ قرار دیا۔ایک روایت کا مفہوم ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ تم جاگیریں نہ بناؤ،اس کی وجہ سے دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے[29]۔

ان تعلیمات نے صحابہ کرام کے مزاج میں اعتدال پیدا کر دیا۔وہ رزق حلال کمانے میں محنت کو ناگوار نہیں سمجھتے تھے لیکن دنیا کو آخرت کے مقابلے میں ترجیح دینا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

۸۔قیامت کا خوف:

انسان کی لالچ اور ہوس کو قابو کرنے کے لئے آخرت کی یاد اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔نزول قرآن کریم کے پورے دورانئے میں آخرت کی یاد دلانے والی آیات بارہا نازل کی گئیں۔یہ ان سورتوں میں سے ہے جو بالاتفاق مکی ہیں ۔مکی دور کے ابتداء میں ساتویں نمبر پر نازل ہوئی۔اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے احوال بیان کئے ہیں اور وحی لانے والے فرشتے کی صفات بھی بیان کی ہیں۔گویا یہ پیغام دینا ہے کہ قیامت کے یہ احوال انسانوں تک ایک قابل اعتماد قاصد کے ذریعے پہنچائے جارہے ہیں اس لئے ان پر یقین رکھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

۹۔دین کے ساتھ دشمنی رکھنے کا انجام:

ابو لہب نبی کریم ﷺ کا چچا تھا۔یہ وہ واحد شخص ہے جس کی مذمت قرآن کریم میں نام لے کر کی گئی ہے نیز ساتھ اس کی بیوی کی حالت بھی بیان ہوئی ہے۔جب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں تک پیغام پہنچایئے تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کی مختلف شاخوں کو آواز دی۔جب سب جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ان تک اللہ کی وحدانیت کا پیغام پہنچایا۔اس موقع پر ابو لہب نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔اس سے قبل خاندانی دعوت کے موقع پر بھی یہ اپنے بغض کا اظہار کر چکا تھا۔اس کا معمول تھا کہ رسول

اللہ ﷺ جب بازاروں میں اللہ کا کلام سنانے نکلتے تو یہ پیچھے چلا کرتا اور لوگوں کو دعوت قبول نہ کرنے کی نصیحت کرتا تھا۔اس کی دین دشمنی کی وجہ سے قرآن کریم نے بلیغ انداز میں اس کی مذمت بیان کی۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ دین کے ساتھ دشمنی رکھنے کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔آخرت میں تو اللہ کی ناراضگی کا سامنا کرنا ہی پڑے گا، دنیا میں بھی اس کو ذلت سے دوچار کیا جاتا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رشتہ وہی معتبر ہے جو دین کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔صحابہ کرام نے اس اصول کو سختی کے ساتھ پیش نظر رکھا۔جہاں بھی کوئی رشتہ دین کی راہ میں حائل ہوتا دکھائی دیا تو اس کا کسی قسم کا لحاظ نہ کیا۔

درج بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ ابتدائی دس مواقع پر نازل ہونے والی وحی میں مسلمانوں کو درج ذیل ہدایات دی گئیں:

- اپنی اصلیت کو پیش نظر رکھو۔
- اپنے خالق کو پہچانو۔
- اللہ کو ایک مانو اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔
- تعلیم کردہ طریقوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔
- قیامت کے احوال کو مدنظر رکھو۔
- مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کو برتنے کا طریقہ کار سیکھو۔
- معاشرے کے کمزور طبقات کی خبر گیری کرو۔
- اعلیٰ اخلاقی اقدار اپناو۔
- صفائی کا خیال رکھو۔
- علی الاعلان اللہ کی نافرمانی کے انجام سے خبردار رہو۔
- رشتہ وہی معتبر ہے جو آپ کے دین میں معاون ہو۔

موجودزمانے کے مسائل اور ابتدائی زمانے کی وحی کی روشنی میں ان کا حل:

اس وقت مسلمان معاشرہ جن مسائل کا شکار ہے، ان کا اور ان کے حل کا ذکر ذیل میں ابتدائی زمانے کی وحی کی روشنی میں کیا جارہا ہے:

ا۔ علم وہنر کی کمی:

موجودہ زمانے میں مسلم معاشرے کا ایک اہم مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مطلوبہ مہارت کا عدم دستیابی ہے۔گذشتہ سطور میں وحی کی روشنی میں حصول علم کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔اس اہمیت کا ادراک جب تک مسلم

معاشرے کو رہاہے، دنیا میں اس نے حکمرانی کی ہے۔ آٹھویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک علم کے افق پر مسلمان قوم چھائی رہی۔اس دوران مسلمانوں نے علم کے نئے جہانوں کی نقاب کشائی کی۔مسلمان اہل علم نے کائنات ،حیوانات اور نباتات کے بارے میں نئی تحقیقات پیش کیں، جغرافیہ، علم طب، علم ریاضی، علم کیمیا، علم طبیعات، علم فلکیات، علم توانائی اور علم تعمیرات وغیرہ سے دنیا کو روشناس کرایا۔ اس دورانئے میں ان میادین میں جن مسلمان سائنسدانوں نے کارنامے سرانجام دیئے ان میں جابر بن حیان (۷۲۲۔۸۱۷ء)عبد الملک اصمعی (۷۹۰۔۸۳۱ء)، محمد بن موسیٰ الخوارزمی (۷۸۰۔ ۸۵۰ء)، یعقوب بن اسحق الکندی اور الجاحظ (متوفی ۸۶۹ء) وغیرہ شامل ہیں۔ تیرہویں صدی کے بعد یہ عروج بتدریج زوال میں بدلتا گیا یہاں تک کہ پندرہویں صدی کے بعد سے علم کے میدان کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں سے مغربی اقوام کی جانب منتقل ہوئی تو اقتدار بھی ان کا قائم ہوا۔ آج مسلمان قوم شکست خوردگی کا عملی تصویر بنی ہوئی ہے تو اس کی بنیادی وجہ ٹیکنالوجی کے میدان میں پیچھے ہوناہے۔ مسلم ممالک معدنیات سے مالامال ہیں لیکن ان معدنیات کے استعمال کے لئے مہارت درکار ہے جو غیر مسلم اقوام کے پاس ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے ممالک کی معدنیات سے استفادے کے لئے ان کو مغربی ماہرین کی مدد درکار ہوتی ہے۔اس صورتحال سے نکلنے اور اپنے عروج رفتہ کو حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو علم کے میدان پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے مختلف شعبہ جات، کمپیوٹر اور اس سے وابستہ فنون میں مسلمانوں کو طاق ہونا چاہئے۔ ان مقاصد کے حصول کی خاطر تعلیمی نظام کو بہتر بنانا ضروری ہے۔

۲۔مادیت پرستی:

اس وقت دنیا میں مغربی تہذیب کا غلبہ ہے۔عیسائیت کے مذہبی استبداد کے کھنڈرات پر اس تہذیب نے جنم لیا ہے۔مذہب سے نجات اور روحانیت کی نفی کرکے مادہ کو ہی حقیقت سمجھا جانے لگا۔مغربی مفکرین نے انسان کو ایسے روپ میں پیش کیا ہے جہاں اس کے پیش نظر محض اس کی خواہشات ہیں جن کے حصول کے لئے مذہب کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہنے دی گئی۔سیاسی طور پر بالادستی حاصل ہونے کی وجہ سے مغرب کی تہذیب بھی غالب ہے۔مسلمانوں میں بھی مادیت پرستی نفوذ کرچکی ہے۔جس کی وجہ سے وہ اپنے اقدار سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ آج کا انسان کم و بیش انہی خیالات کا حامل ہے جو مکی عہد میں عربوں کے تھے۔وہ دولت کے حصول کے ایسے طریقوں کو بھی درست سمجھتے تھے جن میں کسی دوسرے فرد کی حق تلفی ہوتی ہو،یہی سوچ آج بھی موجود ہے۔اسی سوچ کے تحت سود اور جوئے کو درست سمجھا جاتا ہے۔

عربوں کو مادیت سے روحانیت کی طرف لانے والی وحی کے ابتدائی اسباق کو دیکھا جائے تو آج کا مادہ پرست انسان بھی مادیت کے جال سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔انسان پہلی وحی پر غور و فکر کرکے اپنی حقیقت سمجھے، سورۃ

الاعلیٰ کی آخری آیات پر غور کر کے مادہ اور روحانیت کے درمیان توازن پیدا کرنا سیکھے۔کمزور طبقات کی خبر گیری کرنے کے اسباق پر غور کر کے مال اللہ کے حکم پر خرچ کرنے کی عادت ڈالے تو اپنے اندر سرایت کر جانے والی والی مادیت پرستی کو نکال سکتا ہے۔

۳۔مذہبی انتہا پسندی:

موجودہ دور میں مسلم معاشرے کو مذہبی انتہا پسندی کے چیلنج کا سامنا ہے۔بعض لوگ مذہب کی غلط تفہیم کی وجہ سے تشدد اور سختی کی راہ پر چل نکلتے ہیں۔ان کا یہ رویہ معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔سورہ مزمل ابتدائی زمانے میں نازل ہونے والی وحی ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں مذکور ہے۔اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نصف یا اس کے قریب رات کے وقت کو قیام اللیل میں گزارنے کی ہدایت کی۔صحابہ کے معاشرے میں اس ہدایت پر سختی کے ساتھ عمل کیا جانے لگا تو اللہ نے سورت کے اخیر میں اس حکم میں تخفیف فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کا اتنا حصہ تلاوت کرو جو تمہارے لئے آسان ہو۔اس حکم سے عبادت میں تیسیر کے پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی۔بعد میں قرآن کریم میں دیگر مقامات پر اور نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کے ذریعے اسلام کے تیسیری مزاج کی وضاحت کی گئی۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ہر میدان میں شدت پسندی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور احکام ور ہن سہن میں یسر کے پہلو کو مد نظر رکھتا ہے۔ان احکامات کے مطالعہ اور ان پر عمل کی وجہ سے انسان کے مزاج سے شدت پسندی کا خاتمہ ہوتا ہے اور راہ اعتدال اس کے سامنے واضح ہو جاتی ہے۔

۴۔اعلیٰ اخلاقی اقدار کی کمی:

قوم کی پہچان اعلیٰ اخلاقی اقدار سے ہوتی ہے۔اسلام نے عربوں کو ایسی اقدار سے متعارف کروایا جن کو اپنا کر ایک قوم کی حیثیت سے مسلمانوں نے طویل زمانے تک دنیا پر حکومت کی۔سورہ مدثر کے حوالے سے گذشتہ سطور میں یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو ہر قسم کے رذائل سے پاک رہنے اور اعلیٰ قدریں اپنانے کا حکم دیا ہے۔اس ابتدائی حکم کے بعد نبی کریم ﷺ نے قول و عمل کے ذریعے صحابہ کرام کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کے لئے نفع رساں ہو۔اپنی ذات سے کسی کو بھی ایذا نہ دینے کی ہدایت ارشاد فرمائی۔ملاقاتی کو خندہ پیشانی سے ملنے کو صدقہ یعنی عبادت قرار دیا گیا۔لباس،مکان اور استعمال کی اشیاء کو صاف رکھنے کی تلقین فرمائی۔انسانوں،جانوروں یہاں تک کہ راستے کے حقوق بیان فرمائے۔نظم و ضبط برقرار رکھنے کی تربیت دی گئی۔ان ہدایات پر عمل کرنے سے جزیرہ عرب کے اطراف میں رہنے والے مختلف قبائل نے ایک قوم کی صورت اختیار کر لی اور دنیا پر اقتدار بھی ان کو نصیب ہوا۔آج بھی انہی اقدار کو اپنا کر مسلمان قوم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتی ہے۔

خلاصہ بحث:

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرد اور قوم کو جہالت سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے ابتدائی دس سال کی وحی میں موجود ہدایات کافی ہیں۔ اس زمانے میں عربوں میں جو رذائل موجود تھے، ان سے ملتے جلتے رذائل آج بھی امت مسلمہ میں پائے جاتے ہیں۔ علم وہنر کی کمی، مادیت پرستی، روحانیت سے دوری، اخلاق واعلیٰ اقدار کی کمی میں مبتلا عرب معاشرہ تنزلی کا شکار تھا۔ ان ابتدائی اسباق نے اس معاشرے کو تنزلی سے نکال باہر کیا۔ آج بھی امت مسلمہ ان برائیوں میں مبتلا ہے۔ اگر انفرادی واجتماعی طور پر ابتدائی دس سال کے دوران نازل ہونے والی وحی کے اسباق پر عمل کیا جائے تو امت مسلمہ کا عروج رفتہ واپس آسکتا ہے۔

حوالہ جات

[1] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، ص 1/ 58

[2] السیوطی، الاتقان، ص 1/ 40

[3] ایضا، 1/ 96

[4] نوڈیلکے، تیوڈر، تاریخ القرآن (نیویارک: دار نشر جورج المز، ط ۲۰۰۰) ص ۵۴

[5] البخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح للبخاری، باب بدء الوحی، رقم الحدیث ۳

[6] ابن سید الناس، محمد بن محمد، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر (بیروت: ط اولیٰ ۱۴۱۴ھ) ص 1/ 333

[7] المتقی، علاؤالدین علی بن حسام الدین، کنزالعمال فی سن الاقوال والافعال (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ط خامسۃ ۱۴۰۱ھ) رقم ۴۲۱۳، ص 2/ 346

[8] القشیری، مسلم بن حجاج، الصحیح للمسلم، باب تبسمہ ﷺ وحسن عشرتہ، رقم الحدیث 2322

[9] ابن الجوزی، جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی، کشف مشکل الصحیحین (الریاض: دار الوطن، س ن) ص 2/ 76

[10] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص 30/ 394

[11] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص 1/ 135

[12] النسائی، السنن، رقم ۳۰۸۶

[13] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص 29/ 292

[14] الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ط اولیٰ ۱۴۲۰ھ) ص 23/ 8

[15] ابن عاشور، محمد طاہر، التحریر والتنویر (تیونس: الدار التیونیہ للنشر، ط ۱۹۸۴) ص 29/ 2296

[16] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص 29/ 254

[17] الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، ص23/679-678

[18] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص29/253

[19] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص30/272

[20] ایضا

[21] الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن (بیروت: موسستہ الرسالۃ، ط اولی ۱۴۲۰ھ) ص23/12

[22] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص29/297

[23] ابن عاشور، التحریر والتنویر، ص29/297

[24] الحاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، رقم 7371

[25] ابوداؤد، سلیمان بن الأشعث, المراسیل، (بیروت: موسستہ الرسالۃ، ط اولی، 1421ھ) رقم الحدیث: 4062

[26] لترمذی، محمد بن عیسی، السنن، رقم الحدیث: 2799

[27] المتقی الہندی، علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن اقوال والافعال، رقم 25999

[28] بخاری، الصحیح، رقم 3

[29] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن، رقم 2328